ہمارے اسلاف — مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل ۔ لائلپور

فقہ ایک نومسلم انگریز خاتون کے اسلام لانے کا

تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیر گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے بارہ میں بعض شرمناک غلط بیانیوں کی حقیقت

"تحریک ریشمی رومال" نامی کتاب پر تبصرہ

قسط ۳

پھر مرتب نے اس کتاب کے صفحہ ۱۵۰ پر نمبرہ کے تحت اپنے الزام کے ثبوت کے طور پر اٹک کے رہنے والے کسی امیر احمد خان کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی روایت سے اس کی زبانی ایک طویل کہانی بیان کی ہے۔ اور اس سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ "مولانا عزیر گل صاحب ہی وہ شخص تھے جو جاسوسی کیا کرتے تھے۔"

میں پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں اور قارئین کرام کو بھی پورا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ لکھا ہوا اوّل سے آخر تک محض خود ساختہ افسانہ ہی افسانہ ہے۔ نہ اس نام کا کوئی شخص تھا۔ نہ وہ مرتب کتاب سے کبھی ملا ہے۔ نہ اس نے وہ باتیں کی ہیں جو بطور الزام نقل کی گئی ہیں۔ بالکل بے بنیاد کہانی گھڑنے اور فرضی نام اور فرضی حوالے دے دے کر اپنے خیال میں من گھڑت کہانیوں کو مستند بنا کر پیش کرنے میں واقعۃً اس مرتب کو کمال حاصل ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ جھوٹ گھڑنے، فرضی نظریات قائم کرنے اور بالکل جعلی اور غلط حوالے پیش کرنے پر کسی کو کوئی تمغہ اور انعام مل سکتا ہے تو یقیناً یہ مرتب ہی ایسے تمغوں اور انعامات کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس فن میں وہ اتنا باکمال ہے کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد دیکھئے کہ ایک واقعہ کس نامناسب انداز میں پیش کر کے اپنے خیال میں اپنے الزام کے لئے ثبوت فراہم کیا ہے۔ لکھا ہے کہ: "حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے کس قدر شدید نفرت تھی۔ لیکن حضرت شیخ کے یہی فدائی و شیدائی فنافی الشیخ صاحب ایک میم سے شادی رچاتے ہیں۔ اور وہ آج تک عیش اڑا رہے ہیں۔ الخ (ص ۲۵۲)

قصہ نومسلم انگریز خاتون کا اسلام نے جس کی زندگی کی کایا پلٹ دی

اس کے جواب میں ہم مجبور ہیں کہ یہ پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھ کر حقیقت حال واضح کر کے اس الزام کو دفع کر دیں۔ یہ "میم صاحبہ" انگلستان کے ایک اونچے شاہی خاندان کی اور علمی ذوق رکھنے والی ایک ایسی خاتون تھی۔ جو محکمہ ریلوے کے ایک بہت بڑے درجہ کے افسر کی بیوی تھی۔ کافی عرصہ سے وہ ہندوستان میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی اس کا ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی، وہ عرصہ دراز سے دنیا کے مختلف مذاہب و ملل کا تحقیقی اور تقابلی مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ اور تلاش حق میں لگی ہوئی تھی۔ وہ علمی ذوق رکھنے والی اور نہایت ہی ذہین و فطین تھی۔ طبیعت محققانہ اور ناقدانہ تھی۔ اور مدتوں ہر مذہب کی اساسی کتابوں کا مطالعہ پورے تدبر و تفکر کے ساتھ کرتی رہی۔ اور اسی سلسلہ میں قرآن مجید کا مطالعہ بھی ایک انگریزی ترجمہ اور مختصر تفسیری نوٹوں کی روشنی میں کیا۔ اور اس مطالعہ کے نتیجے میں اسلام کی حقانیت اس پر دلائل کیساتھ واضح ہو گئی۔ اور اسے یہ یقین حاصل ہو گیا کہ انسان کو دنیوی زندگی میں کامیابی اور حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ اور آخرت میں نجات ابدی کا ذریعہ اسلام ہی کا نظام حیات ہے۔ اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ پر اس کا عقیدہ راسخ ہو گیا۔ ان دنوں میں وہ رڑکی (ضلع سہارنپور) کے قریب مشہور قصبہ منگلور میں مقیم تھی۔ اور اس قصبہ کے ایک لڑکے محمد علی کو متبنّٰی بنا لیا تھا۔ اس کے سامنے جب اس کا اظہار کیا۔ کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں، کہاں جا کر اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کروں۔؟ اور کس کے ہاتھ پر شرف قبول اسلام حاصل کروں۔ تو اُس نے مشورہ یہ دیا کہ دار العلوم دیوبند پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک مسلّم دینی اور علمی مرکز ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وہاں کے شیخ الحدیث، صدر المدرسین اور ہندوستان بھر میں مشہور دینی رہنما ہیں۔ وہاں جانا چاہیئے۔ چنانچہ (غالباً ۱۹۳۲ء میں) وہ منگلور سے قبول اسلام کا ارادہ لے کر دیوبند آئی۔ اور حضرت مدنیؒ کے ہاں حاضر ہو کر اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اسلام قبول کر کے وہاں سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ قصبہ منگلور دیوبند سے قریباً ۱۴ میل دور ہے۔ مگر یہ راستہ پیدل کا ہے۔ اس زمانہ میں کسی قسم کی سواری کے لئے دونوں قصبوں کے درمیان کوئی سڑک نہیں تھی۔ دیوبند تک ریل کے ذریعہ آنا جانا ہوتا تھا۔ تو منگلور سے ۷ میل کے فاصلے پر رڑکی تک سڑک تھی اور رڑکی سے قریباً ۲۵ میل سہارنپور اور پھر سہارنپور سے قریباً ۲۲ میل دیوبند تھا۔ اس طرح فاصلہ ۵۰ میل سے زائد بنتا تھا۔ ان دنوں مولانا عزیر گل صاحب مدرسہ رحمانیہ واقع جامع مسجد رڑکی میں صدر مدرس تھے۔ اس لئے حضرت مدنیؒ نے اس نومسلم خاتون کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید

کا مزید تحقیقی مطالعہ کرو اور جہاں کہیں مضامین قرآنی سمجھنے میں کوئی اشکال پیش آجائے تو یہاں کی بہ نسبت رڑکی آپ سے قریب ہے۔ وہاں جاکر حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے سامنے اپنا اشکال پیش کرکے اُسے حل کیا کرو۔ اور ان کی رہنمائی میں دینی کتب کا مطالعہ کرکے تحقیقی طور پر دینی مسائل کے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ آپ کے لئے علمی طور پر مفید ثابت ہوں گے۔ یہاں دیوبند آنا جانا راستہ کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے۔ اور ان کو میرا قائم مقام سمجھو۔ اور ان سے استفادہ کرو۔

الغرض مسلمان ہو جانے کے بعد وہ منگلور میں اپنا بنگلہ بنواکر مقیم ہوگئی۔ خاوند یہاں سے ریٹائر ہوکر انگلینڈ چلا گیا تھا۔ مگر اسلام قبول کرنے کے باوجود اخراجات کیلئے وہ ماہوار دوسو روپیہ بھیجتا رہا۔ اس زمانہ میں ارزانی تھی۔ دوسو روپیہ اچھے گذارے کیلئے بالکل کافی رقم تھی۔ اس ماہوار آنے والی رقم سے وہاں منگلور میں اچھا گذارا کرتی رہی اور شب و روز مطالعۂ قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحقیق میں مشغول رہا کرتی تھی۔ دوران مطالعہ میں کوئی خاص اشکال پیش آتا یا کوئی مسئلہ قابلِ تحقیق ہوتا تو حضرت مدنیؒ کے مشورہ کے مطابق بہ آسانی رڑکی جاکر مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ سے پورے طور پر علمی اطمینان حاصل کرلیا کرتی تھی۔ اس آمد و رفت میں حضرت مولانا کی اہلیہ (مرحومہ) سے بھی اچھا خاصا تعارف و تعلق پیدا ہوا۔ اور اس سے اور اسی طرح مولانا کے چھوٹے بچوں بچیوں سے بھی خوب مانوس ہوگئی اور بچے اس سے مانوس ہوگئے۔

اس زمانہ میں مولانا کے یہ بچے اس کو 'مدر' کہا کرتے تھے۔ چھوٹے بچے زبیر کو جس کی عمر تقریباً پانچ سال تھی بارہا وہ رڑکی سے اپنے ساتھ منگلور لے جاتی اور یہ بچہ اپنے گھر کی طرح دو دو تین تین راتیں وہاں ہنسی خوشی گذارتا۔ سب چھوٹے بڑے اہل خانہ اس کو 'مدر' کہا کرتے تھے۔ اور وہ ان سب کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پیش آیا کرتی تھی۔ اور وہ مولانا عزیر گل صاحب کے علمی اور عملی کمالات و فضائل کی خوب معتقد و معترف ہوگئی تھی۔ پورے خاندان کے ساتھ آمد و رفت، محبت و خلوص اور ارسالِ ہدایا و تحائف کا یہ سلسلہ دو تین سال تک ممتد رہا۔ غالباً رجب ۱۳۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت مولانا کی اہلیہ مرحومہ بچوں کے ساتھ رڑکی سے دیوبند اپنے گھر آئی ہوئی تھیں۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدرسہ رحمانیہ کے ایک کام کے سلسلے میں راندیر تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کرچکا ہوں میں مولانا کے مکان کے باہر مردانہ حصہ میں دو اور عزیز رشتہ داروں کے ساتھ دوران طالب العلمی میں مقیم تھا۔ اور حضرت مولانا نافع صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا۔ مولانا کی اہلیہ مرحومہ نے مجھے بچوں کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ پرسوں منگلور سے مدر صاحبہ یہاں دیوبند ہمارے گھر آنے والی

ہے۔ اس نے اس کی اطلاع دی ہے۔ وہ بہت زیادہ صفائی پسند طبیعت رکھتی ہے۔ ہمارے مکان کا زنانہ حصّہ ایسا ہے کہ عرصہ دراز سے اسکی سفیدی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے آج میں والدہ کے گھر چلی جاتی ہوں۔ گھر کا سامان ایک طرف کر دیا ہے آپ سفیدی کرنے والے کو بلا کر مکان کی خوب اچھی طرح صفائی کرادیں۔ تاکہ جب مدّرّ آجائے تو مکان صاف ستھرا ہو۔ اور صفائی دیکھ کر وہ خوش ہو۔ میں سفیدی کرنے والے کی تلاش میں تھا کہ دوپہر کے وقت معلوم ہوا کہ والدہ کے گھر میں مولانا کی اہلیہ محترمہ کا اچانک انتقال ہوگیا ہے۔ بڑے بچّے عبدالرؤف نے روتے ہوئے آکر اپنے عم محترم حضرت مولانا نافعؒ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ مولانا عزیز گل صاحب کو راندیر تار دے کر اس سانحہ کی خبر کردی۔ اسی روز تجہیز و تدفین ہوئی۔ مولانا راندیر سے تیسرے روز پہنچ گئے۔ گھر اجڑ گیا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچّے رہ گئے مولانا نے اس عظیم صدمہ کو نہایت صبر و استقامت کیساتھ برداشت کیا۔ اتفاق کی بات اس حادثہ کے چند روز بعد حضرت مدنیؒ کی اہلیہ محترمہ جناب مولانا اسعد میاں مدظلہٗ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوا۔ رجب اور شعبان کے دو مہینے گذر جانے کے بعد مولانا مدظلہٗ دیوبند میں مقیم تھے کہ منگلور سے مدّرّ کا خط آپ کے نام دیوبند آیا جس کا مضمون یہ تھا:

"—— آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات کے حادثہ کے بعد آپ کا گھر اجڑ گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچّے رہ گئے ہیں۔ جن کا سنبھالنے والا گھر میں کوئی نہیں۔ مجبوراً آپ کو گھر آباد کرنے اور بچوں کی خاطر دوسرا نکاح کہیں نہ کہیں کرنا ہوگا۔ اور ظاہر ہے جو بیوی بھی آئے گی وہ ان بچوں کی سوتیلی ماں ہوگی۔ اور سوتیلی ماں کی روش عموماً بچوں کے بارے میں فطری طور پر اچھی نہیں ہوتی۔ اور پھر اگر اس کی اولاد بھی ہوئی تو ان بچوں کیلئے اور مشکلیں پیش آئیں گی۔ میں اس وقت اسلام قبول کرنے کی وجہ سے آزاد ہوں۔ کسی کے نکاح میں نہیں۔ میری عمر قریباً پچاس برس ہے۔ اس لئے مجھے ویسے نکاح کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن اب مجھے یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ ان بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر جن کو اب تک میں نے اپنے بچوں کی طرح سمجھا تھا۔ آپ کے نکاح میں آجاؤں اور آپ کے گھر کو آباد کروں۔ مجھے نہ تو اولاد کی خواہش ہے اور نہ اب میری عمر اولاد پیدا ہونے کی ہے۔ اس لئے میں ان بچوں کیلئے کبھی بھی سوتیلی ماں نہیں بنوں گی۔ بلکہ ان کی پرورش ان کی اپنی ماں کیطرح کروں گی۔ نیز میرا نظریہ یہ بھی ہے کہ میں آپ جیسے شخص کے سایہ میں آجاؤں۔ اس لئے آپ نکاح کے لئے میری یہ درخواست ضرور قبول کیجئے ——"

مولانا مدظلہٗ نے اس خط کے جواب میں انکار لکھا اور انکار کی متعدد وجوہ میں سے چند اہم باتیں یہ لکھیں کہ میرے ہاں پردہ کی بہت زیادہ پابندی ہے اور آپ عمر بھر بے پردہ رہنے کی عادی رہی ہیں آپ سے اتنی شدید پابندی نہیں ہو سکے گی۔ میرا اپنا ذاتی مملوکہ مکان بھی نہیں۔ مدرسہ کے ایک تنگ مکان میں دن گذار رہا ہوں۔ آپ نے اب تک بڑی بڑی کوٹھیوں اور باغوں، پارکوں میں ساری زندگی گذاری ہے۔ ایسے مختصر سے مکان میں بود و باش کس طرح کر سکو گی۔ نیز میری آمدنی بالکل محدود ہے، مدرسہ سے معمولی تنخواہ ملتی ہے جس سے آپ کے معیار کے مطابق گذارا بالکل نہیں ہو سکتا۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نکاح کی یہ درخواست منظور نہیں کر سکتا۔"

——— اس خط کے جواب میں اس نے پھر منگلور سے ایک مفصل خط لکھ کر بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

"آپ نے اپنے خط میں جتنی بھی شرطیں لکھی ہیں وہ سب مجھے منظور ہیں۔ نکاح سے پہلے پردہ کروں گی اور عمر بھر شریعت اسلامیہ کے مطابق پورا پردہ کرتی رہوں گی۔ اس بارے میں آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ذرہ برابر خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ میں ہر طرح کے مکان میں رہ سکتی ہوں۔ اور ہر طرح کا گذارا کر سکتی ہوں۔ مجھے خوراک پوشاک یا کسی اچھے معیار زندگی کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ کے بچوں کی صحیح تربیت کروں۔ اور ازدواجی تعلقات کی بنا پر آپ کا سایۂ شفقت و مرحمت میرے سر پر ہو۔ اور میں اس سعادت کے حصول کے لئے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں ———"

مولانا نے اس خط کے جواب میں مزید اعذار لکھے۔ اور اس معاملہ کو مختلف طریقوں سے ٹالنا چاہا۔ اس کے بعد کافی دنوں تک مکاتبت ہوتی رہی۔ اس کا اصرار برابر جاری تھا۔ اور مولانا مدظلہٗ کوئی عذر لکھ کر یا کوئی شرط لگا کر ٹالتے رہے۔ اس کا آخری خط جو اس سلسلہ میں مولانا کے نام آیا بہت زور دار مؤثر اور فصیح و بلیغ تھا۔ اس میں چند خاص مؤثر جملے اس مضمون کے تھے:

"اچھا، میں نے تو آپ کی عائد کردہ تمام شرطیں قبول کیں۔ جو مانع آپ نے بتایا میں نے اُسے دور کر دیا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ آپ کے پاس نکاح نہ کرنے کے لئے عذر کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ اس کے باوجود اگر آپ میری اس درخواست کو قبول نہیں فرماتے تو قیامت کے روز اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس بات پر گرفت کرے کہ تو نے اسلام قبول کرنے کے بعد زندگی کے دن کسی خاوند کے سایہ میں رہ کر کیوں نہیں گذارے

اور اس لباس کے بغیر کیوں رہی۔ تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی طرف سے معذرت پیش کروں گی اور عرض کر دوں گی کہ میں نے تو اپنے لئے ایک بہترین شخص کو منتخب کر کے اس سے نکاح کرنے کی ہر طرح کوشش کی تھی۔ مگر بلا وجہ اس نے انکار کیا، اور مجھے اپنے سایہ میں لے آنا قبول نہیں کیا۔ تو آپ ابھی سوچ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کیا عذر پیش کر سکیں گے۔"

یہ خط و کتابت انگریزی میں ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا مدظلہٗ خود تو انگریزی لکھ اور پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان کے مخلص دوست اور خاص معتقد مولانا عقیل احمد صاحب بی اے (جو آجکل کراچی میں مقیم ہیں اور بہت سے دینی ادارے قائم کئے ہیں اور صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ اور ہزاروں ان سے بیعت کر کے روحانی استفادہ کر رہے ہیں۔) منگلور سے آنے والے خطوط کا مضمون سنا دیتے تھے اور آپ کیطرف سے پھر جواب میں انگریزی خطوط لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان سارے خطوط کے مضامین اور اور موثر انداز میں اصرار ان کے سامنے تھا۔ اس لئے اس آخری خط کے بعد اس نے بھی اصرار کے ساتھ مولانا مدظلہٗ کو مشورہ دیا کہ ہماری رائے بھی یہی ہے کہ آپ یہ درخواست ضرور قبول کیجئے۔ اور نکاح کر لیجئے چند اور دوستوں مخلصوں اور خیر خواہوں کو ان تفصیلات کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ بلکہ خاص طور سے محرک اور باعث بنے۔ چنانچہ آخر کار رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کے آخری ایام میں ان دوستوں کو لے کر آپ منگلور تشریف لے گئے۔ مدرسہ نے پہلے تو باقاعدہ پردہ کیا۔ اور پھر اس کے بعد مسنون طریقہ سے نکاح پڑھا گیا۔ اور نکاح ہو جانے کے بعد اس نے منگلور کی وہ کوٹھی اور باغیچہ اس متبنیٰ لڑکے محمد علی کو دیدیا اور وہاں سے صرف اپنا عظیم کتب خانہ بیل گاڑی میں لاد کر منگلور سے روڑکی لے آئی۔ اور یہاں آکر مدرسہ کے اس بالکل چھوٹے سے مکان میں رہائش اختیار کی۔ اس نکاح کے بعد انگلینڈ میں مقیم سابق خاوند نے دو سو روپیہ ماہوار کی رقم بند کر دی۔ اور اس کے بعد مولانا کی محدود اور معمولی سی آمدنی پر تنگی ترشی کے ساتھ گذارا کرتی رہی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس مومنہ قانتہ نے ہر پہلو سے پورا مجاہدہ کیا اور مومنات قانتات کیطرح اپنی گھریلو زندگی میں ہر طرح کی تنگی ترشی بہ صد خوشی برداشت کی۔ اور کبھی بھی کلمۂ شکایت زبان پر نہیں لائی۔ اس دوران میں اس نے ان بچوں کو خاص اپنے بچوں کیطرح سمجھ کر ان کی تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے وہ ان کے لئے حقیقی ماں کی طرح ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ وسیع علمی مطالعہ والی باذوق خاتون تھی۔ اس لئے شب و روز علمی مشاغل میں مصروف رہا کرتی تھی۔ چنانچہ انگریزی زبان میں اسلام اور عیسائیت کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی جو

ندوۃ المصنفین دہلی کے مشہور علمی ادارہ کیطرف سے شائع ہوئی اور مدتوں تک رسالہ "برہان" دہلی میں اس کتاب کا اشتہار شائع ہوتا رہا۔ نیز انگریزی زبان میں محققانہ انداز سے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تفسیری نوٹ بھی لکھے۔

اس ترجمہ و تفسیر کے دوران حضرت مولانا کے ساتھ علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ بحث و تحقیق ہوتی تھی۔ اور اس کے بعد نتیجہ میں جو آخری اور قطعی رائے قائم ہوجاتی اسکی روشنی میں قرآنِ مجید کے مطالب صاف و سلیس اور فصیح و بلیغ انگریزی میں لکھ لیتی تھی۔ وہ تفسیر مکمل ہوگئی تھی۔ اور اس زمانہ میں بمبئی کی ایک طابع و ناشر کمپنی کو طباعت و اشاعت کے لئے حوالہ کر دی تھی۔

نکاح کا یہ واقعہ غالباً نومبر ۱۹۳۶ء کا ہے۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۴۵ء تک مولانا کارڑکی میں قیام رہا۔ آمدنی کم تھی، اخراجات بڑھ رہے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے بعد جنگِ عظیم دوم کی وجہ سے اشیائے ضرورت کے نرخ بھی زیادہ ہوگئے تھے۔ اور معمولی آمدنی پہ گذارا مشکل ہو رہا تھا۔ آپ نے سوختی لکڑیوں کی تجارت بھی کی مگر اس میں بھی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اسی کے مشورہ سے فیصلہ ہوا کہ رڑکی کی بجائے سخاکوٹ منڈی کے پاس اپنی آبائی زمین میں مکان بنوا کر رہائش اختیار کی جائے۔ وہاں سے آکر وقت وفات اکتوبر ۱۹۶۶ء تک وہاں اس چھوٹی سی بستی میں اس نے زندگی کے یہ دن گذارے ہیں۔ وہاں وہ دیہاتی عورتوں کا فی سبیل اللہ مفت علاج ہومیوپیتھک طریقہ سے کرتی رہی اور ساتھ ہی غریب دیہاتیوں کی ہر طرح کی امداد و اعانت اور خبر گیری کیا کرتی تھی۔ کسی معاملہ میں اور کسی موقع پر بھی اس نے "میم صاحبہ" ہونے کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صدق دل کے ساتھ اس اسلام قبول کرنے نے اسکی پوری زندگی اور سیرت و اخلاق میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا تھا۔ نکاح کے وقت سے لے کر وقتِ وفات تک پردہ اس قدر اہتمام کے ساتھ کرتی رہی۔ کہ قدیم الاسلام شرفاء کے خاندانوں اور بڑے بڑے دیندار گھرانوں میں بھی عورتوں کا ایسا پردہ نہ ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ مولانا رڑکی سے دیوبند تشریف لائے تھے وہ بھی ساتھ آئی تھیں۔ جب دونوں دیوبند سے واپس رڑکی جا رہے تھے تو مولانا مدظلہٗ کے ایک خادم و کفش بردار کی حیثیت سے میں بھی اسٹیشن تک گیا تھا۔ اسٹیشن پر میں نے دیکھا کہ از سرتا قدم نہایت ہی ساتر برقع میں مستور پوری پابندی کے ساتھ پردہ کئے ہوئے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ آیا۔ کہ دیکھئے خداوند تعالیٰ کی قدرت عظیم کا کرشمہ کہ یہ وہ عورت ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل کس آزادی اور بے پردگی کے ساتھ ہندوستان بھر کے اسٹیشنوں پر پھری ہوگی۔ اور اب ایمان کی

دولت نصیب ہوجانے کے بعد رضائے الٰہی کی خاطر شرعی پابندیوں کو اس نے کس جذبۂ ایمانی کے ساتھ بصد خوشی قبول کیا ہے۔ اور اس وقت میرے دماغ میں حدیث ہرقل کا یہ جملہ فوراً تازہ ہوا۔ وکذٰلک الایمان اذا خالطت بشاشتہ القلوب۔ خدا و رسول کے احکام کے سامنے اطاعت و فرمان برداری کے ایسے ایسے نمونے پیش کرنا حقیقی اسلام ہے۔ اور اس اللہ کی بندی نے قبولِ اسلام کے بعد احکامِ خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور بلا چون وچرا اطاعت کے ایسے ہی نمونے پیش کئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں طویل بیماری کے بعد ۸۰ برس سے زائد عمر پاکر اُسی گاؤں میں اس کا انتقال ہوا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور وہاں ایک ٹیلہ پر واقع قدیم قبرستان میں درختوں کے جھنڈ میں اس کی تدفین عمل میں آئی ـــــ کہاں پیدا ہوئی۔ کہاں پرورش پائی۔ کہاں کہاں رہی بسی۔ اور آخر جاکر کس خاک میں مدفون ہوئی۔ وفات سے قبل تین چار سال متواتر شدید بیمار رہی۔ اس بیماری کے دوران اس نے صبر و استقامت اور اعتماد علی اللہ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پشتینی مسلمانوں کو ایسے مظاہر صبر و تقویٰ پیش کرنے کی توفیق بہت کم ملتی ہے۔ اس تیس۳۰ سال کے عرصہ میں اس نے اپنی زندگی کا معاشرتی اور معاشی معیار حضرت مولانا مدظلہٗ کی آمدنی کی مناسبت سے بہت معمولی رکھا تھا۔ اور "میم صاحبہ" والی کوئی بات اس میں نہیں تھی۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ سلیقہ شعار تھی۔ اور ہر معاملہ میں سلیقہ مندی اختیار کرنے کی وجہ سے معمولی آمدنی ہوتے ہوئے بھی عزت و آبرو قائم رہی اور کسی نے کوئی کمی محسوس نہیں کی۔

"میم صاحبہ کے ساتھ شادی" والی بات میں نے پوری تفصیل کے ساتھ اس لئے ذکر کردی تاکہ حقیقتِ حال کی پوری توضیح و تشریح ہوجائے۔ ؎

ضرور بود حکایت دراز تر گفتیم

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے انتہائی نفرت تھی۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس نفرت و عداوت کی بنیاد کوئی نسلی یا وطنی عصبیت نہیں تھی۔ بلکہ صرف اُن کا کفر، نصرانیت اور خدا و رسولؐ اور ان کے احکام و قوانین سے اُن انگریزوں کا برگشتہ ہونا ہی واحد وجہ نفرت و عداوت تھی۔ اور جب عداوت و نفرت اور تبرّی کی بنیاد کفر و طغیان ہو تو صدقِ دل کے ساتھ اسلام قبول کرنے اور احکام خدا اور رسول کو بہ دل و جان تسلیم کرکے ان پر عمل کرنے کے بعد نفرت بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح ایمان لانے والے اور اسلام قبول کرنے والے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح محبوب اور آنکھوں کا تارا بن سکتے ہیں۔ مولانا مدظلہٗ کی یہ اہلیہ مرحومہ اگرچہ نسلاً انگریز تھی۔ انگلینڈ میں پیدا ہوئی تھی اور وہیں اس نے پرورش پائی تھی، لیکن جب اس نے علیٰ بصیرۃ مطالعہ اور تحقیق کے بعد اسلام قبول کیا ـــــ اور ایسا